مولانا سعید احمد اکبر آبادی

ایک مجلس کی تین طلاق

قرآن و سنت کی روشنی میں

اسلام میں طلاق کی تین قسمیں ہیں :-

۱۔ رَجْعِیَّہ :- جس میں عدّت گزرنے سے پہلے پہلے مُطلِّق اپنے قول یا عمل سے طلاق واپس لے سکتا ہے۔

۲۔ بائِنَہ :- جس میں مُطلِّق عدت ختم ہونے کے بعد تجدیدِ نکاح کر سکتا ہے۔

۳۔ مُغَلَّظَہ :- اس میں مُطلِّق حلالہ کے بغیر تجدیدِ نکاح نہیں کر سکتا۔

اس وقت موضوعِ بحث یہی تیسری طلاق ہے، اس لیے ہم اس پر ہی گفتگو کریں گے۔
اس طلاقِ مغلّظہ کا حکم قرآن مجید کی حسب ذیل آیات سے بطریقِ نص ثابت ہے :-

لطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان

(البقرہ : ۲۲۹)

طلاق (جس کے بعد رُجوع بھی ہو سکتا ہے) وہ تو دو ہی مرتبہ ہے۔ اس کے بعد یا تو معروف کے ساتھ عورت کو روک لیا جائے یا اس کو احسان کے ساتھ چھوڑ دیا جائے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا :

فان طلقہا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ

(البقرہ : ۲۳۰)

اگر دو مرتبہ طلاق دینے کے بعد پھر ایک طلاق اور دے دی تو اب جب تک عورت کسی اور سے نکاح نہیں کرے گی وہ پہلے مرد کے لیے حلال نہیں ہوگی۔

اِن آیات کا صاف مطلب یہ ہے کہ طلاقِ مغلّظہ اس وقت واقع ہوگی جب کہ مرد آگے پیچھے دو طلاق دینے کے بعد یہ فیصلہ کرلے کہ اسے اب عورت کو اپنی زوجیت میں نہیں لینا ہے، اور اس فیصلے کے مطابق وہ ایک طلاق اور واقع کر دے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اگر کوئی شخص آگے پیچھے نہیں بلکہ تین طلاقیں ایک ساتھ واقع کرے گا تو اس کا یہ فعل قرآن کے مذکورہ بالا حکم کے خلاف ہوگا۔ چنانچہ ایک حدیث جس کی اسناد امام مسلم کی شرط پر ہے، اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ساتھ دی ہیں تو آپؐ غیظ و غضب کے عالم میں کھڑے ہوگئے اور فرمایا:

ایلعب بکتاب الله و انا بین اظہر کم

کیا ابھی جب کہ میں تم لوگوں میں موجود ہوں کتابُ اللہ سے اس طرح کھیلا جائے گا۔

علاوہ ازیں مسندِ امام احمد بن حنبل میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رُکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں اور پھر اُن کو اس کا شدید غم اور صدمہ ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پُوچھا:

"تم نے طلاق کس طرح دی تھی؟"

رکانہ نے جواب دیا۔ "میں نے تین طلاقیں دی ہیں۔"

آپؐ نے پھر دریافت فرمایا: "کیا ایک مجلس میں؟"

اُنھوں نے جواب دیا۔ "جی ہاں! ایک مجلس میں۔"

اب آپؐ نے فرمایا: فانما تلک واحدة فارجعها

یعنی یہ تو ایک ہی طلاق ہوئی، تم اسے واپس لے لو اگر تم چاہتے ہو۔

رُکانہ کا بیان ہے کہ اس ارشادِ نبویؐ کے مُطابق میں نے رُجوع کرلیا۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام احمد فرماتے ہیں کہ اسی روایت کی روشنی میں

حضرت عبداللہ بن عبّاس کی رائے بھی تھی کہ طلاق ایک ساتھ نہیں بلکہ طُہر میں الگ الگ ہونی چاہیے[1] اور یہی طلاق سُنت بھی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عبّاس سے یہ بھی مروی ہے کہ اُنھوں نے فرمایا: عہدِ نبوی اور عہدِ صدّیقی اور حضرت عمر کی خلافت کے ابتدائی دو برس تک تین طلاقیں جو ایک مجلس میں اور دفعتہً دی جائیں اُن کا حکم یہی تھا کہ وہ ایک سمجھی جاتی تھیں، لیکن اپنی خلافت کے دو برس گزرنے کے بعد حضرت عمر نے مذکورہ بالا تین طلاقوں کو تین طلاق مغلّظہ ماننے کا حکم صادر فرمایا۔ کیوں؟ حضرت عبداللہ بن عبّاس اس سلسلے میں خود حضرت عمر کے الفاظ نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

ان الناس قد استعجلوا فی امر کان لھم فیہ اناۃ فلو امضیناہ علیھم (مسند امام احمد۔ ج ۱، ص ۷)

وہ چیز جس میں (قرآن و سنت کے مطابق) لوگوں کے لیے سوچنے کا بڑا موقع تھا، اس میں اُنھوں نے بڑی جلد بازی سے کام لیا ہے۔ پس بہتر ہے کہ ہم اُن پر اپنا حکم نافذ کریں۔

حضرت عمر کا یہ قول نقل کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن عبّاس فرماتے ہیں:

فامضاہ علیھم (چنانچہ حضرت عمر نے یہ حکم نافذ کر دیا)

حضرت عبداللہ بن عبّاس کے اس ارشاد سے یہ بات تو صاف طور پر معلوم ہو گئی کہ حضرت عمر کا یہ اقدام بے وجہ نہیں تھا، بلکہ لوگوں نے کسی وجہ سے ایک راہ جلدبازی کی اختیار کر رکھی تھی جو سرتاسر قرآن کے منشا و مقصد کے خلاف تھی۔ اس بنا پر حضرت عمر نے ان لوگوں کو متنبّہ کرنے کے خیال سے یہ اقدام فرمایا تاکہ اُنھیں محسوس ہو کہ اس جلدبازی کے باعث اُنھوں نے کس طرح شریعت کے یُسر کو اپنے لیے عُسر بنالیا ہے، اور اس باب میں اُن کا حال ان بنی اسرائیل کا سا ہوگیا ہے جن کی نسبت قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ اللہ نے سب کھانے کی چیزیں ان لوگوں کے لیے حلال کی تھیں، مگر جب اُنھوں نے خود اپنے اوپر بعض چیزیں حرام کرلیں تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر اُن چیزوں کو حرام کر دیا۔

اب رہی یہ بات کہ وہ وجہ آخر کیا تھی جس کے باعث حضرت عمر کے زمانے میں لوگوں

نے جلد بازی کی راہ اختیار کی تھی؟ اس سوال کے جواب میں عہدِ حاضر کے مشہور اور بلند پایہ مصنّف محمد حسین ہیکل اپنی معرکۃ الآرا کتاب "عمر الفاروق" میں لکھتے ہیں :

"غالب گمان یہ ہے کہ عہدِ فاروقی میں جو لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دیتے تھے وہ طلاق دینے کے بعد اُن سے شفقت اور نرمی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عراق و شام کی کنیزیں بکثرت آگئی تھیں اور مدینہ و جزیرۃ العرب کے لوگ ان پر فریفتہ تھے اور وہ اپنی ان من موہنیوں کو خوش کرنے کے لیے بیویوں کو بعجلت و شدّت بیک لفظ تین طلاقیں دینے لگے تاکہ ان کی محبوبہ کو اطمینان ہو جائے کہ اب وہ ان کے دل پر تنہا قابض ہے۔

اس کے علاوہ کچھ اور اسباب بھی تھے جن کے باعث صدرِ اوّل کے مسلمانوں کی ایک جماعت نے طلاق ثلاثہ کو ازراہ بے پروائی و ایذا رسانی ایک ہنسی کھیل بنا لیا تھا۔ ان میں ایک سبب یہ بھی تھا کہ جب کوئی مرد کسی آزاد عربی یا عجمی عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا تو وہ یہ شرط پیش کرتی تھی کہ مرد اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے تاکہ وہ اس کے لیے حلالہ کے بغیر حلال ہی نہ ہو سکے۔ اب اگر حلالہ کے بعد شوہر اپنی پہلی بیوی سے مراجعت کرتا بھی تھا تو اس سے گھر میں اتنی بدمزگی پیدا ہوتی تھی کہ زندگی اجیرن بن جاتی تھی۔

غرض کہ اس قسم کے اسباب تھے جن کی بنا پر حضرت عمر نے یہ حکم جاری کیا کہ تین طلاقیں جو ایک مجلس میں اور دفعۃً واحدۃً دی جائیں گی اُن کا حکم طلاق مغلّظہ ہونے میں وہی ہوگا جو اُن تین طلاقوں کا ہے جو طلاق سُنت کے مطابق تین طُہروں میں دی گئی ہوں۔ حضرت عمر نے دیکھا جو شخص نکاح کی گرہ کو اتنا بے حقیقت سمجھتا ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دے ڈالتا ہے وہ بے حس اور یاوہ گو انسان ہے اور اسے اس بے حسی اور یاوہ گوئی کی سزا ملنی چاہیے"[2]

ڈاکٹر محمد حسین ہیکل نے یہ جو کچھ لکھا ہے بالکل صحیح ہے اور اس سے خود حضرت عمرؓ کے مذکورہ بالا قول کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے۔ ہمارے نزدیک ایک اور چیز بھی ہے جو

اس موقع پر پیش نظر رہنی چاہیے اور وہ یہ کہ حضرت عمر سے بسندِ صحیح مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "میرے پاس جب کبھی محلّل اور محلّل لہٗ لائے جائیں گے، میں اُن دونوں پر رجم کردوں گا" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت عرب سوسائٹی میں تحلیل کا رواج ہوتا جارہا تھا اور اسی رواج کے زیرِ اثر لوگوں نے عُجلت پسندی کی راہ سے بیک وقت تین طلاقیں دینے کا طریقہ اختیار کرلیا ہوگا۔ اور ظاہر ہے یہ رواج معاشرے میں جنسی بے راہ روی اور اخلاقی انحطاط کا ایک ایسا ہی بڑا ذریعہ بن سکتا ہے جیسا کہ مُتعہ۔ اس بنا پر جس طرح حضرت عمر نے مُتعہ قطعی طور پر حرام قرار دے دیا تھا، اسی طرح طلاق کی کثرت اور اس کے اثراتِ مابعد سے جو صورتِ حال پیدا ہوتی جارہی تھی اس کے انسداد کی یہ شکل نکالی کہ ایک طرف ایک ہی مجلس میں اور دفعتہً دی گئی تین طلاقوں کا حکم طلاق مغلّظہ قرار دے دیا اور دوسری جانب تحلیل کو بالکل ممنوع اور حرام قرار دیا۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:[۳] **زواج المحلل حرام بالجماعة الصحابة** اور شیخ محمد عبدہ لکھتے ہیں: **ان نکاح التحلیل شر من المتعة و اشد فساداً و عار**[۴]

حضرت عمر کا یہ اقدام ایک سخت قسم کی معاشرتی خرابی کو روکنے کے لیے ایک ایسا ہی اجتہاد تھا جیسا کہ اُن کے دوسرے اجتہادات تھے۔ بہر حال اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ خاص مسئلہ زیرِ بحث میں حضرت عمر کے اس اجتہاد کو قبولِ عام حاصل ہوا اور تمام صحابہ نے اس کو تسلیم کرلیا اور اس کا حکم وہی ہوگیا جو اجماعِ صحابہ کا ہوتا ہے۔ چنانچہ ائمہ اربعہ کا مسلک بھی یہی ہے اور اسی پر ان کا فتویٰ ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ ایک مسئلۂ مجتہد فیہا ہے اور اس بنا پر اس بات کی گنجائش ہے کہ سوسائٹی کے حالات بدل جانے یا امرِ جنسی پیدا ہوجانے کی صورت میں اس پر از سرِ نو نظرِ ثانی کی جاسکتی ہے۔ یہ نظرِ ثانی جن وجوہ اور دلائل کی بنیاد پر ہوسکتی ہے وہ حسبِ ذیل ہیں:-

۱۔ قرآن مجید میں تین طلاقوں کے بارے میں جو آیت ہے وہ اس باب میں نصِ قطعی ہے کہ طلاق مغلّظہ اُس وقت واقع ہوگی جب کہ تین طلاقیں یکے بعد دیگرے مختلف مجلسوں میں واقع کی جائیں۔

۲۔ **فامساک بمعروف او تسریح باحسان** سے ضمناً تیسری طلاق کے

واقع کرنے میں قصد اور ارادہ کا بھی اشارہ نکلتا ہے۔

۳۔ طلاق سے متعلق قرآن مجید اور احادیث نبویّہ میں جو تصریحات ہیں اُن سب کو یک جا طور پر پیشِ نظر رکھا جائے تو ان سے حسب ذیل اُمور پر روشنی پڑتی ہے:۔

(الف) طلاق اگرچہ مُباح اور مشروع ہے لیکن ابغض المباحات ہے اور نکاح میں اصل اسی کی بقا ہے۔

(ب) طلاق اُس وقت دی جائے جب کہ شوہر اور بیوی دونوں کو اس بات کا یقین ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔

(ج) لیکن طلاق سے قبل ایک پنچ کے سامنے اپنا معاملہ پیش کر دینا چاہیے۔

(د) طلاق واقع کرنے سے مرد کا مقصد عورت کو ستانا اور تکلیف دینا نہیں ہونا چاہیے۔

(ھ) طلاق حالتِ غضب میں نہیں دینی چاہیے — حافظ ابن قیمؒ نے زاد المعاد (ص ۲۴۴) میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے فرمایا: **لا طلاق و لا عتاق فی الاغلاق** ابوالعباس المبرد نے الکامل میں اغلاق کے معنی بیان کیے ہیں، تنگ دلی، بے چینی، مجبوری۔ حافظ ابن قیمؒ نے اس کے معنی غضب کے لیے ہیں — اس بنا پر اس ارشادِ نبوی کا مطلب یہ ہوا کہ غضب اور مجبوری کی حالت میں جو طلاق دی جائے وہ طلاق ہی نہیں ہے۔ چنانچہ امام مالک کا مذہب یہی ہے اور اس کی خاطر انھوں نے جو شدائد برداشت کیے ہیں وہ اہلِ علم سے مخفی نہیں۔

(و) طلاق کے بارے میں مرد کی نیّت کا اعتبار ہونا چاہیے۔ چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے:

باب الطلاق فی الاغلاق، والسکران، والجنون، والرویا والغلط، والنسیان فی الطلاق والشک

اور اس کے بعد حدیث **انما الاعمال بالنیات** نقل کی ہے۔

اب ذرا صرف ہندوستان اور پاکستان میں نہیں بلکہ عالمِ اسلام میں ہر جگہ آج کل جو حالات پیش آ رہے ہیں اُن کا جائزہ لیجیے۔ وہ حالات یہ ہیں:۔

۱ - آج مسلمان عام طور پر طلاق کے مسئلے مسائل سے ناواقف ہیں اور وہ رجعیہ، بائنہ اور مغلّظہ کے فرق کو نہیں جانتے - اس لیے جب کبھی غصّے کی حالت میں ناراض ہو کر یا کسی اور سبب سے بیوی سے ترکِ تعلّق کا اعلان کرنا چاہتے ہیں تو بے تکلف طلاق کا لفظ دو تین مرتبہ بول جاتے ہیں -

۲ - لیکن جب غصّہ فرو ہوتا ہے تو ان کو اپنی حرکت پر ندامت ہوتی ہے اور وہ عورت سے زوجیّت کا تعلّق پھر قائم کرنا چاہتے ہیں، لیکن اُن کو بتایا جاتا ہے کہ بیوی پر تین طلاقیں پڑ گئی ہیں اور اب وہ حلالہ کے بغیر اُن کے لیے حلال نہیں ہو سکتی -

۳ - حلالہ کرنے اور کرانے والے دونوں پر آں حضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے، اسی لیے مرد اور عورت دونوں میں سے کوئی بھی اس پر آمادہ نہیں ہوتا اور یوں بھی ان کی غیرت اس کی اجازت نہیں دیتی -

۴ - شوہر ہزار کہتا ہے کہ مجھ کو نہ طلاقِ مغلّظہ کا حکم معلوم تھا اور نہ میری نیّت یہ تھی، لیکن اُس کی کوئی شنوائی نہیں ہوتی اور فیصلہ برقرار رہتا ہے -

۵ - اُس بدنصیب عورت کی جوانی کی عمر ڈھل چکی ہے، اسی لیے کچھ اس بنا پر اور کچھ طلاق سے داغ دار ہونے کے باعث اب اس کی کہیں شادی بھی نہیں ہو سکتی -

۶ - اُس عورت کے لیے گذر بسر کا ذریعہ بھی ایک نکاح تھا - اب جب یہ منقطع ہو گیا تو اُس کے لیے معاش کا کوئی ذریعہ نہیں رہا - جب ایک انسان اس طرح معاش سے مجبور اور تنگ دست ہوتا ہے تو پھر اُس سے کوئی گناہ مستبعد نہیں ہوتا -

۷ - علاوہ ازیں یہ معاملہ صرف ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان ہی نہیں بلکہ اُن کی اولاد بھی ہیں - غور کرنا چاہیے کہ اُن پر کیا گذرے گی؟ اور والدین کی باہمی مفارقت سے ان کے دل و دماغ پر نفسیاتی، اخلاقی اور ذہنی اثرات کیا ہوں گے؟ اربابِ نظر پر یہ پوشیدہ نہیں ہے۔

غرض کہ یہ حالات ہیں جنھوں نے مسلم سماج میں ایک عظیم تہلکہ برپا کر رکھا ہے - عالم اسلام کی عدالتوں کی روئداد ملاحظہ کیجیے، آپ کو معلوم ہوگا کہ اس طرح کے افسوس ناک واقعات کس کثرت سے روزانہ پیش آرہے ہیں -

اب سوال یہ ہے کہ جو لوگ امن وچین کی زندگی بسر کر رہے ہیں، اگر ان کے عشرت کدوں تک اُن ہزاروں ستم رسیدہ ومظلوم انسانوں کی داد فریاد اور آہ وشیون نہیں پہنچتا تو کیا اسلام کے پاس بھی اُن کے لیے کوئی مدد نہیں ہے؟ — جواب یہ ہے کہ ہے، اور لازمی طور پر ہے۔ خود حضرت عمرؓ کے اِقدام سے یہ صاف ظاہر ہے کہ طلاق کے احکام میں اس قدر لچک ہے کہ اسلامی سوسائٹی کے خاص حالات کی اصلاح کرنے کی غرض سے قرآن مجید کی کسی آیت کے منطوق حکم میں تقییدؔ اور تخصیص کا عمل کیا جاسکتا ہے۔ پس جب یہ ہوسکتا ہے تو اگر کسی زمانۂ مابعد میں کسی اور قسم کے ناگفتہ بہ حالات سماج میں پیدا ہو جائیں اور اُن کی اصلاح قرآن کے اصل منطوق کی طرف رُجوع کرنے سے ممکن العمل ہو سکتی ہو تو پھر اُس راہ کو اختیار کرنا کیوں بدرجۂ اولیٰ درست اور انسب نہ ہوگا۔ اس بنا پر طلاق سے متعلق قرآن مجید کی آیات اور مذکورۃ الصدر تنقیحات کے پیشِ نظر موجودہ معاشرتی حالات میں ہمارے نزدیک علمائے مجتہدین کے لیے اس امر کی کافی گنجائش ہے کہ وہ حسب ذیل فیصلے کریں:-

۱ - تین طلاقیں جو ایک مجلس میں ایک ہی لفظ سے دی جائیں وہ ایک طلاق سمجھی جائے گی اور طلاقِ رجعیّہ ہوگی۔

۲ - تین طلاقیں جو ایک ہی مجلس میں تین لفظوں سے دی جائیں اور شوہر شدید غضب کے عالم میں ہو اور غصّہ فرو ہونے کے بعد وہ یہ کہے کہ میں نے دوسری اور تیسری طلاق کے الفاظ پہلی ہی طلاق کو موکدؔ کرنے کے لیے کہے تھے، یا بے سمجھے بوجھے غصّے میں زبان سے نکل گئے تھے اور میں طلاق مغلّظہ کے حکم سے ناواقف تھا اور نہ اس کا ارادہ تھا، تو ان سب صورتوں میں مرد کی تصدیق کی جائے۔ اسلامی شریعت کی درحقیقت اسپرٹ ہی یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو رشتۂ ازدواج کو قائم رکھنے کی تدبیر کی جائے۔ ہاں البتّہ جب شوہر نے یہ ٹھان ہی لیا ہے کہ اُسے اِس رشتے کو منقطع کر دینا ہی ہے تو اب مجبوری ہے۔

اب آئیے، جو حضرات مذکورہ بالا تین طلاقوں کو ایک طلاقِ رجعی تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں اور اس کے شدید مخالف ہیں، ان کے دلائل کا بھی جائزہ لیں۔

ان حضرات کا سب سے زیادہ زور اس پر ہے کہ حضرت عمرؓ کا حکم اجماعِ صحابہ کا حکم رکھتا

ہے جو قطعی الدّلالۃ والثبوت ہوتا ہے اور اسی بنا پر ائمہ اربعہ کا باہم اس میں کوئی اختلاف نہیں ۔

اس کے جواب میں گذارش یہ ہے کہ حافظ ابن تیمیہ نے اپنے فتویٰ کی جلد ۳۔۴ میں اور امام عالی مقام کے تلمیذِ رشید حافظ ابن قیمؒ رحمۃ اللہ علیہما نے **اغاثۃ اللھفان الکبریٰ والصغریٰ** میں اور پھر اپنی کتاب **زاد المعاد** اور **اعلام الموقعین** میں طلاقِ ثلاثہ کے مسئلے پر بہت مفصّل، جامع اور مدلّل گفتگو کی ہے ۔ اس کو ملاحظہ فرمائیے، مخالف حضرات کے دلائل کا جواب مل جائے گا ۔

چنانچہ اجماعِ صحابہ کی نسبت حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس، علی و عبداللہ بن مسعود کے متعلق دونوں طرح کی روایات ہیں ۔ بعض میں ہے کہ وہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک ہونے کا فتویٰ دیتے تھے اور بعض روایات میں اس کے برعکس یہ ہے کہ وہ طلاقِ مغلّظ ہونے کا فتویٰ دیتے تھے، لیکن زبیر بن عوّام، عبدالرحمٰن بن عوف، عِکرمہ، طاؤس، محمد بن اسحٰق، فلاس بن عمرو، حارث عکلی، داؤد بن علی اور ان کے اکثر اصحاب، بعض اصحابِ مالک، بعض اصحابِ حنفیہ، بعض اصحابِ احمد بن حنبل ان سب کا فیصلہ یہ تھا کہ طلاقِ ثلاثہ کا حکم ایک طلاق کا ہے [۵۵]

پس جب صورتِ حال یہ ہے تو اجماع کا دعویٰ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے ۔ علامہ ابن قیم کے مندرجہ بالا بیان سے یہ بالکل واضح ہو گیا کہ درحقیقت حضرت عمر کے فیصلے پر اجماع نہ عہدِ صحابہ میں ہوا، نہ عہدِ تابعین میں، نہ عہدِ تبع تابعین میں — چنانچہ حافظ ابن تیمیہ بھی لکھتے ہیں:

" سلف اور خلف میں مالک، احمد بن حنبل اور داؤد وغیرہم کے اصحاب میں ایسے حضرات تھے جو یا تو طلاقِ ثلاثہ کو لغو قرار دیتے تھے یا اس سے ایک طلاق رجعی واقع کرتے تھے، اور یہی صحابہ و تابعین سے بھی منقول ہے ۔" [۵۶]

پس اوّل تو یہ دعویٰ کرنا ہی صحیح نہیں ہے کہ حضرت عمر کے حکم پر صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا تھا، اور اگر یہ اجماع تھا بھی تو یہ اجماع سکوتی تھا جو مرتبے میں بہرحال اجماعِ تقریری سے کم ہوتا ہے ۔ اور پھر یہ امر بھی پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے کہ جو اجماعی فیصلہ کسی خاص زمانے میں اُس

وقت کے مخصوص حالات وظروف کی بنیاد پر کیا گیا ہو، علمائے اُصولِ فقہ کے بیان کے مطابق جب تک وہ زمانہ اور اُس کے وہ حالات باقی رہیں گے، اُس وقت تک اجماعی فیصلہ واجبُ العمل ہوگا، لیکن جب وہ حالات بدل جائیں گے تو اب وہ اجماعی فیصلہ واجب العمل نہ رہے گا اور اُس کے بجائے نئے حالات اور نئے تقاضوں کی روشنی میں کوئی دوسرا فیصلہ کرنا ہوگا۔

آج مسلمانوں کو یہی صورتِ حال درپیش ہے۔ جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا، یہ حالات ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ عالم گیر ہیں۔ ہر اسلامی ملک کے علما و مفکرین اُن پر غور و خوض کر رہے ہیں اور اس سلسلے میں اُنھوں نے فیصلے کیے ہیں۔ چنانچہ مصر جو جامعہ ازہر کے باعث علومِ دینیہ و اسلامیہ کا مرکز ہے اور جہاں اکابر علما و محقّقینِ اسلام ہمیشہ پیدا ہوتے رہے ہیں، اس کے اجلّہ علما نے اس خاص مسئلے میں بھی اپنی آرا کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ علامّہ شیخ محمود شلتوت اپنے فتاویٰ میں صاف لکھتے ہیں:

الطلاق بالثلاث لا يقع لا واحدة رجعية و يرد الرجل زوجه بكلمة الرجعة او بالمخالطة الخاصة ”[٧]

جو تین طلاقیں ایک مرتبہ دی جائیں اُن سے ایک طلاقِ رجعی ہی واقع ہوگی اور مرد کو یہ حق ہوگا کہ وہ اپنی بیوی کو واپسی کے لفظ سے یا مخالطتِ خاص کے ذریعے واپس لے لے!

علامّہ سید رشید رضا اپنی تفسیر المنار میں لکھتے ہیں کہ "بعض فقہا اور دانشوروں نے ہماری حکومتِ مصر کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ تین طلاقوں کے مسئلے میں اصل کتاب و سُنّت کی طرف رُجوع کیا جائے، جس کے دلائل کو سب سے پہلے شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ اور ان کے شاگرد علامّہ ابنِ قیّم نے نہایت بسط و تفصیل سے اپنی کتاب اعلام الموقعین، اغاثۃ اللّھفان اور زاد المعاد میں بیان کیا ہے اور پھر ان دونوں حضرات کی تائید اور موافقت امام شوکانی، نواب صدّیق حسن اور دوسرے ہندوستانی علمائے متاخرین نے کی ہے:[٨]

چنانچہ اسی سلسلے میں حکومتِ مصر نے ایک قانون بنایا جو ١٠/ مارچ ١٩٢٩ء کو منظور کیا گیا۔ یہ قانون طلاق سے متعلق ہے اور اس میں بہت سی دفعات ہیں۔ اس کی دفعہ نمبر ٣ میں ہے۔

"وہ طلاق جس کے بعد اشارۃً یا لفظاً عدد ہوں، اُن سے ایک طلاقِ رجعی ہی واقع ہوگی"۔ ۹

علاوہ ازیں عہدِ حاضر کے ایک جلیل القدر عرب عالم اور مفسر شیخ جمال الدین القاسمی نے نہایت عمدہ کتاب "الإستیناس لتصحیح أنکحۃ النّاس" کے نام سے لکھی ہے اور اس میں طلاق کے مسئلے پر نہایت مفصّل گفتگو کے بعد یہ رائے ظاہر کی ہے کہ جو تین طلاقیں دفعۃً واحدۃً واقع کی جائیں اُن سے ایک طلاقِ رجعی ہی واقع ہوگی۔ شیخ نے اس مسئلے پر مبسوط و مفصّل گفتگو کے بعد آخر میں جو عبارت لکھی ہے ہم اسے نقل کرتے ہیں اور اسی پر یہ مقالہ ختم کرتے ہیں۔

"اللہ کی قسم! دل رنج والم کے مارے پاش پاش ہوا جاتا ہے اور آنکھیں خون کے آنسو بہاتی ہیں کہ آج جہالت اور علمِ دین سے بے خبری کے باعث مسلمانوں کی حالت کیا ہوگئی ہے۔ چنانچہ آج ہماری عدالتیں اور محاکم شرعیہ مظلوم عورتوں کی شکایتوں سے پُر ہیں، اور حالت یہ ہوگئی ہے کہ شوہر اپنے ظلم و عُدوان اور بیویوں کے ساتھ حق تلفی و سخت بے رحمی کا معاملہ کرنے کے باعث اسلام کے لیے ننگ و عار بن گئے ہیں۔ دوسری قومیں یہ سب کچھ دیکھتی ہیں اور ہمارا مذاق اڑاتی ہیں اور اسلام کے ساتھ تمسخر کرتی ہیں۔

ربنا لا تجعلنا فتنۃ للذین کفروا واغفر لنا ربنا انک انت العزیز الرحیم

حواشی

۱؎ مسند امام احمد، مرتبہ شیخ ساعاتی۔ ج ۱۷، ص ۶۔ ۷

۲؎ اُردو ترجمہ۔ از جیب الشعر ص ۶۸۳۔

۳؎ الفتاویٰ۔ للشیخ محمد شلتوت۔ ص ۳۰۱۔ ۴؎ ایضاً

۵؎ اعلام الموقعین۔ ج ۲، ص ۱۴ تا ۳۲

۶؎ فتاویٰ شیخ الاسلام۔ ج ۴، ص ۱۵۱

۷؎ الفتاویٰ، ص ۳۰۱

۸؎ تفسیر المنار۔ ج ۹، ص ۶۸۳

۹؎ حیاۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ از شیخ محمد بہجۃ البطار۔ ص ۶۶

ISLAMIC IDEOLOGY

(اسلامی نظریۂ حیات)

تصنیف: ——— ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

موجودہ وقت میں مغرب کے فلسفۂ مادیّت نے نہ صرف مغرب میں بلکہ مشرق میں بھی جو انسانی تاریخ میں قدیم زمانے سے روحانی و اخلاقی تہذیبوں کا گہوارہ ہے، اپنے حلقۂ اثر کو وسیع کر لیا ہے، جس کے نتیجے میں انسان روحانی طور پر قلق و اضطراب کا شکار ہے اور زندگی کی غرض و غایت سے بے گانہ — انسان کو اپنی بھولی ہوئی منزل سے آشنا کرانے کے لیے جن اہل علم نے کامیاب تحریریں سپردِ قلم کی ہیں، ان میں پاکستان کے معروف سکالر مرحوم ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم بھی شامل ہیں، جنھوں نے دل نشین انداز میں انسان کے اخلاقی اور اجتماعی مسائل کی وضاحت کی ہے اور خوب صورت طریقے سے اپنی انگریزی کتاب ISLAMIC IDEOLOGY (اسلامی نظریۂ حیات) میں اسلام کا نقطۂ نظر پیش کیا ہے۔ یہ کتاب ایک عرصے سے نایاب تھی، اب اہل علم کے مطالعے کے لیے اسے پھر شائع کر دیا گیا ہے۔ طباعت، کاغذ، جلد، سرورق شان دار۔

صفحات: ۴۲۴ ——— قیمت: ۱۱۰ روپے

اداره ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور